دعوت الی اللہ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ

ترجمہ:۔ اور اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوگی جو کہ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے

(القرآن ۲۴-۴۱-۳۴)

دعوت الی اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ صد سالہ جشنِ تشکر کی خوشی میں مرتب ہونے والے منصوبوں کے تحت لجنہ اماءِ اللہ کو کتب کی اشاعت کی توفیق عطا فرماتا چلا جا رہا ہے زیرِ نظر کتاب اس سلسلہ کی اُنتیسویں کڑی ہے۔

مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تحریر کردہ یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت کے تحت شائع کرنے کے لئے منتخب کی گئی ہے۔ ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کا پہلا اور سب سے بڑا اصول توحید باری تعالیٰ ہے، جو آپؐ نے دُنیا کے سامنے پیش کیا اور تمام زندگی اس مشن کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔ اس کتاب میں آپؐ کے اس مشن کو کامیاب کرنے کے لئے دعوت اِلی اللہ کی اہمیت و فضیلت اور دعوت اِلی اللہ کے حکیمانہ طریق بتائے گئے ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت میں ہمیں مکرم محترم عبدالباسط شاہد صاحب مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا تعاون حاصل ہوا۔ آپ نے کتابت کروا کے، پروف ریڈنگ کی محنت کر کے اصلاح شدہ مسودہ تیار کر کے دیا۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء**

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ قارئین کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو کامیاب بنانے میں سب "آخرین" کا ہاتھ ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین، اللّٰھم آمین۔

۱۱ء ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت اِلی اللہ

دعوت اِلی اللہ ایک مقدس فریضہ ہے جس کا مقصد حق وصداقت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔

دعوت اِلی اللہ کے لغوی معنیٰ خدا تعالیٰ کی طرف بلانا اور اصطلاحًا اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی اچھائی اور خوبی اور بالخصوص دینی امور کو دوسرے افراد تک پہنچانا۔ اور انہیں قبول کرنے کی دعوت دینا۔

دعوت اِلی اللہ ایک ایسا عمل ہے جس میں کسی نصب العین کی طرف اخلاص سے بلایا جاتا ہے۔ اس نصب العین سے اختلاف وانحراف کے نقصانات وخطرات سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور غفلت ونسیان کے پردوں کو چاک کر کے اصل نصب العین کو یاد دلانے کے لئے نصیحت کی جاتی ہے۔ یہ ایمان لانے والوں کے دلوں میں سچائی کا وہ جوش ہوتا ہے جو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ اور اُن کو اُس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک وہ اپنا پیغام ہر فرد بشر تک نہ پہنچا دیں۔ اور تمام بنی نوعِ انسان اُس حقیقت کو تسلیم نہ کرلیں جسے وہ برحق یقین کرتے ہیں۔

دعوت اِلی اللہ کے دو دائرے ہیں۔ ایک دائرے میں یہ کسی قوم کے افراد کو اندرونی بگاڑ سے بچانے کا ذریعہ ہے اور دوسرے دائرے میں عام انسانوں کو کسی خاص نظریئے اور نظام کا قائل کرنا ہے جس کے ساتھ منسلک

ہونے کے نتیجہ میں ایک انسان قربِ الٰہی اور عرفانِ الٰہی کا مورد بن جاتا ہے۔ ایک اعتبار سے یہ تحفّظ ہے تو دوسرے اعتبار سے توسیع۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حق و صداقت کی آواز کو عام کیا جائے۔ اور فساد کو دُور کیا جائے۔ گویا دعوت اِلی اللہ کسی فرد کے لئے زندگی کی علامت ہے۔ دعوت اِلی اللہ کے بغیر انفرادی تشخص کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔

قرآن کریم میں دعوت اِلی اللہ کے سِلسلہ میں دو قسم کے ارشادات ہیں۔ ایک وہ جن میں دعوت اِلی اللہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسرے وہ جن میں دعوت اِلی اللہ کے طریقِ کار اور ترتیبِ کار اور بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں دعوت اِلی اللہ کے لئے فرض، تبشیر، انذار اور تذکیر وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

دعوت اِلی اللہ کی اہمیّت و فضیلت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دعوت اِلی اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(حٰمٓ سجدہ: ۳۴)

ترجمہ:۔ اور اُس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوگی جو کہ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور اپنے ایمان کے مطابق عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی دعوت الی اللہ قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔

(المائدہ: ۶۸)

ترجمہ:۔ اے رسولؐ! تیرے ربّ کی طرف سے جو کلام بھی تجھ پر اتارا گیا ہے اُسے لوگوں تک پہنچا۔ اور اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو گویا تُو نے اُس کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تجھے لوگوں کے حملوں سے محفوظ رکھے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپ کے ارشادات اور فرمودات سے دعوت الی اللہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت نظر آتی ہے۔ ایک موقعہ پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

فَوَاللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرًا لَّکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ۔

(بخاری کتاب المغازی)

ترجمہ:۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دینِ حق کو قبول کر لینا سَو سُرخ اُونٹوں سے بہتر ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ رسول کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ

"تم میں سے جو کوئی بُرائی دیکھے تو اُسے ہاتھ سے درست کر دے۔ اور اگر اُس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے

اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے بُرا جانے
اور یہ کمزور ترین ایمان ہے"۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب)

حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ :-

"نبی کریمؐ نے فرمایا! قسم اُس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔
کہ تمہیں نیکی کی ضرور ہدایت کرنی ہوگی اور برائی سے ضرور روکنا ہوگا
ورنہ عین ممکن ہے اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے۔ پھر تم
اُسے پکارو اور تمہیں جواب نہ آئے"۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے جوشِ دعوت کا یہ عالم تھا کہ کفارِ مکہ نے آپ کو دعوت سے باز رکھنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ مگر ناکام و نامراد رہے۔ آپؐ کو دعوت سے باز رکھنے کے لئے بڑے سے بڑا لالچ دیا۔ مگر آپؐ نے ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اور فرمایا کہ :-

"اگر آپ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر
چاند لا کر رکھ دیں تب بھی دعوت الی اللہ سے باز نہیں آؤں گا"۔

اِس فرمانِ نبویؐ کے بعد قریش مکہ کے ایک وفد نے آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب سے احتجاج کیا۔ ایک روز ان کے احتجاج سے مجبور ہو کر حضرت ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر کہا کہ :-

"میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور
دُشنام دہی سے باز آجا۔ ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی تاب نہیں
رکھتا"۔

حضرت ابوطالب کی اس دھمکی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پُرجلال انداز میں فرمایا۔ کہ

"یہ دُشنام دہی نہیں۔ بلکہ اسی کام کے لئے تو مَیں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو مَیں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ مَیں موت کے ڈر سے رُک نہیں سکتا۔ بخدا اگر مَیں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ مجھے اسی میں لذّت ملتی ہے" (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۸۱)

حضرت مہدی دَوراں کے دل میں جو دعوت اِلی اللہ کا جوش موجزن تھا۔ اس کا اندازہ آپ کے ذیل کے ارشادات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جس سے دعوت الی اللہ کی اہمیّت اور ضرورت بھی نمایاں ہو جاتی ہے فرمایا:۔

"ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچّے دین کی اشاعت کریں اور اس کو ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچائیں اور اس تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں۔ خواہ مارے ہی جائیں"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۹۱)

دعوت اِلی اللہ کے لئے اپنے دل کی تڑپ کا اظہار اپنے منظوم کلام میں ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ؎

دیکھ سکتا ہی نہیں مَیں ضعفِ دینِ مصطفےٰ
مجھ کو کر اَے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

حضرت حافظ حکیم مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ نے ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ لکھا جس کے مضمون سے دعوت اِلی اللہ کی اہمیّت و برکات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس خط کا کچھ حصّہ یہ ہے :۔

"عالیجناب! میری دعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں اور امام زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدد کیا گیا وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو مَیں نوکری سے استعفیٰ دے دُوں اور دن رات خدمت عالی میں پڑا رہوں یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دنیا میں پھروں اور لوگوں کو دین حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دوں۔ مَیں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپ کا ہے۔
حضرت پیر و مرشد! مَیں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو مَیں مراد کو پہنچ گیا"

(روحانی خزائن جلد سوم صـ۳۶)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے ان ارشادات سے بھی دعوت الی اللہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"ہمت کرو اور بڑھتے چلے جاؤ۔ اور دُنیا کے کناروں تک جا کر خُدا کے نام کو پھیلا دو۔ اس راستہ میں تمہیں جو بھی قربانی کرنی پڑے۔ اس سے مت گھبراؤ۔ اور نہ رکو۔ اگر تمہیں اس راہ میں اپنی عزیز سے عزیز چیز بھی قربان کرنی پڑے تو کرو۔ اور صرف ایک مقصد لے کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس عرفان کے خزانے کو دُنیا میں پہنچاؤ۔ جس کے لئے احادیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود خزانے تقسیم کرے گا۔ مگر لوگ لینگے نہیں۔ مسیح موعود نے تمہیں قرآن کے خزانے دیئے ہیں۔ ان کو تمام دُنیا میں پہنچا دو۔ اور پھیلا دو۔"

(خطباتِ محمود جلد اوّل صفحہ ۴۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز دعوت اِلی اللہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اوّل یہ کہ (دعوت الی اللہ) کوئی طوعی چندہ نہیں ہے۔ کوئی نفل نہیں ہے۔ کہ نہ بھی ادا کریں تو آپ کی روحانی شخصیت مکمل ہو جائے گی۔ (دعوت الی اللہ) فریضہ ہے۔ اور ایسی شدّت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ اگر دعوت الی اللہ نہ کی تو تُو نے رسالت کو ہی ضائع کر دیا۔ آپ کی اُمّت بھی جواب دِہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک

جواب دِہ ہے"۔

(خطبہ جمعہ ۱۹ ؍جولائی ۱۹۸۵ء، بیت الفضل لندن)

دعوتِ الی اللہ کے حکیمانہ طریق

قرآن کریم نے دعوتِ الی اللہ کے حکیمانہ طریق اور اصول وضوابط بیان فرمائے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعتبار سے منفرد حیثیت حاصل ہے۔ کہ آپ نے دعوتِ الی اللہ کے تمام عملی مراحل کا نمونہ اور دعوت عمل کے لئے بہترین اصول بھی دیئے۔ جو ہر ایک داعی الی اللہ کے لئے بہترین راہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے اختصار وجامعیت کے ساتھ یہ اصول بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دعوتِ الی اللہ کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ (النحل : ۱۲۵)

ترجمہ:۔ اے رسولؐ! تو لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے اپنے ربّ کی طرف بلا۔ اور اُس طریق سے جو سب سے اچھا ہو اور ان کے اختلافات کے متعلق بحث کر۔ تیرا ربّ ان کو بھی

جو اُس کی راہ سے بھٹک گئے ہوں۔ سب سے بہتر جانتا ہے۔ اور ان کو بھی جو ہدایت پاتے ہوں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرکے اُسے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں۔ یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دلنشین دلیلیں پیش کرتے ہیں یا اُس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور مؤثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں۔ یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے ردّ کرتے ہیں۔ اور اسکی غلطی کو اس پہ واضح کرتے ہیں۔

پہلے طریقے کا نام حکمت، دوسرے کا موعظہ حسنہ اور تیسرے کا نام جدال بطریق احسن ہے۔ دعوت اِلی اللہ کے بنیادی طور پر یہی تین طریقے ہیں جن کی عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں ملتی ہے۔

دعوت الی اللہ قولی ہو یا فعلی دونوں کا انداز ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ مخاطبوں کے دلوں میں حق سرایت کرجائے اور وہ حق کی طرف جھک جائیں۔ اِسی طرح داعی الی اللہ کا طرزِ عمل بلکہ ہر نقل و حرکت بھی دعوت ہی ہونی چاہیئے۔ جس سے لوگ جوق در جوق دائرہ حق میں داخل ہوجائیں۔

حکمتِ علمی سے ان کے دلوں میں دینِ حق پہ وثوق اور یقین پیدا ہو۔ عملی موعظت سے اُن میں قناعتِ قلبی ہو اور عملی مجادلت سے ان کے شکوک و شبہات کا قلع قمع ہو جائے۔

۱۔ حکمتِ عملی:۔ قرآنی نقطۂ نظر اور اسوۂ رسولؐ میں حکمت کو دعوت کے طریق کار میں اوّلین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

حکمت کا مطلب ہے کہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت۔ استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے۔ پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ اکھاڑ سکتے ہوں۔

حکمت ایک جامع اصطلاح ہے اور اس کے تحت وہ تمام طرز ہائے عمل آجاتے ہیں جو مخاطب کو قبولِ حق پر آمادہ کریں۔ مثلاً موقع و محل کا لحاظ۔ مخاطب کی نفسیات اور عقلی دلائل وغیرہ۔

۱۔ **موقع و محل**:۔ دعوت بلاشبہ ایک سچے جذبہ اور حقیقی لگن کی متقاضی ہے۔ لیکن جوشِ جنوں میں موقع و محل کا لحاظ نہ کرنا سخت مضر ہے۔ مثلاً ایک داعی حق کو ان تمام اوقات میں دعوت حق سے اعراض کرنا چاہیئے جب جب مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو۔ اسی طرح ایسے موقعہ سے داعی کو اعراض کرنا چاہیئے جب مخاطب اپنی کسی ایسی دلچسپی میں منہمک ہو جس کو چھوڑ کر دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہونا اس کی طبیعت پر گراں گزرے۔

"حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا! کہ لوگوں کو جمعہ جمعہ وعظ کیا کرو۔ اگر اس سے زیادہ کرنا ہو تو ہفتہ میں دو بار۔ اگر اس سے زیادہ کرنا ہو تو تین بار۔ اور لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو۔ اور ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس ایسے وقت میں آؤ جب وہ اپنی کسی اور دلچسپی میں مصروف ہوں۔ اور اس وقت ان کو وعظ سنانا شروع کردو۔

اور اس کا نتیجہ بیزاری ہو۔ ایسے مواقع پر خاموش رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تم سے خواہش کریں۔ تو ان کو سناؤ۔ تاکہ تمہارا وعظ رغبت سے سُنیں"۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

۲۔ مخاطب کی نفسیات:۔ دوسری اہم بات جسے ایک داعی کو ہمیشہ ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ وہ مخاطب کی استعداد اور نفسی کیفیات ہیں۔ مثلاً عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے منطقی استدلال اور فلسفیانہ بحثیں شروع کر دی جائیں۔ یا کسی دانشور سے گفتگو کرتے ہوئے بے رنگ، بے ڈھب اندازِ گفتگو اختیار کیا جائے۔ بلکہ لوگوں سے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کی جائے۔

دعوت حق کے بعض شدید تقاضے ہوتے ہیں اور بعض سہل۔ داعی کو آغاز ہی میں وہ تمام باتیں بیان نہیں کرنی چاہئیں جن سے اکتاہٹ اور تنفر پیدا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔

(بخاری کتاب العلم)

ترجمہ:۔ یعنی آسانی پیدا کرو۔ تنگی پیدا نہ کرو۔ اور لوگوں کو ہمیشہ خوشخبری دیا کرو۔ اور نفرت پیدا کرنے والی باتیں نہ کیا کرو۔

پھر مخاطب کی کمزوریوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ داعی کو کسی حال میں بھی اپنے مخاطب کے اندر حمیّت وجاہلیّت کے بھڑکنے کا موقع نہیں پیدا ہونے دینا چاہیئے۔ مخاطب کے معتقدات کے بارے میں محتاط اندازِ بیان اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جذباتی وابستگی کے باعث بعض اوقات وہ

بالکل غیر متوازن ہو سکتا ہے۔ اسی امر کی طرف اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ہماری توجہ پھیرنا چاہتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۝ (الانعام : ۱۰۸)

ترجمہ :- اور تم ان کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ لاعلمی کے باعث اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

اس ہدایت کا مقصد بھی یہی ہے کہ داعی حق کو اُن تمام باتوں سے اعراض کرنا چاہیئے جو عصبیت اور جاہلیت کو بھڑکانے والی اور مخاطب کو عناد و اختلاف کی راہ پر ڈال دینے والی ہوں۔

اسی طرح مخاطب کی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ مخاطب کے معاشرتی وسیاسی مرتبہ کو بھی مدّنظر رکھا جائے۔ کیونکہ اس کا غلط پندار بسا اوقات اُسے حق بات کے سُننے سے روک دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو اسی پہلو سے ہدایت کی گئی کہ :-

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ : ۴۴)

ترجمہ :- (اے موسیٰ اور ہارون) فرعون کے پاس جاؤ۔ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے اور اُس سے نرمی سے بات کرنا تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے۔ یا خدا کا خوف محسوس کرے۔

۳۔ تدریج :- حکمتِ عملی کے ضمن میں ایک اور حقیقت جس کو مدّنظر رکھنا ضروری ہے وہ "تدریج" ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ کسی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ یکبارگی اُس کی گردن پر نہ ڈالا جائے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ پہلے توحید و رسالت اور دیگر عقائد کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد عبادات کو۔ عبادات میں بھی اہم تر کے اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی۔ کہ

"تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ خدا کے سِوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولتمندوں سے لے کر اُن کے غریبوں کو دلایا جائے۔"

(بخاری کتاب الزکوٰۃ)

حکمتِ عملی اس امر کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ مخاطب سے پہلے اُن امور کو تسلیم کروا لیا جائے۔ جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اِس سلسلہ میں ہمیں قرآن کریم سے بھی راہنمائی ملتی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا۔

(آلِ عمران: ۶۵)

ترجمہ:۔ یعنی۔ اے رسولؐ! تو اہل کتاب کو پہلے ان باتوں پر اتفاق رائے

کی دعوت دے جو دونوں فریقوں کے درمیان مشترک حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی پہلے توحید الٰہی کے پلیٹ فارم پر اکٹھے ہونے کی دعوت دے۔

دعوت الی اللہ میں اصل مقصود ہی افراد کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیئے طلب پیدا کرنا ہے۔ تمام انبیاء نے سب سے پہلے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی دعوت دی ہے۔ انبیاء و مصلحین کے طریق دعوت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے بگاڑ کا اصل سبب اللہ تعالیٰ سے رابطے کی کمی۔ کمزوری یا انقطاع ہے۔ اور خدا کی ذات پر کامل یقین کے بعد مسائل کو حل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

۲۔ موعظہ حسنہ

دعوت اِلی اللہ کے لیئے دوسری بنیادی چیز موعظہ حسنہ ہے۔ اس سے مراد عمدہ نصیحت ہے۔ عمدہ نصیحت کے دو۲ مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کی جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ اور مخاطب کو یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے تڑپ موجود ہے۔ اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

جذبات انسانی ذہن میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی بات کسی کے جذبات کو متاثر کر جائے تو عقل کی فلسفہ طرازیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اور جذبات تک اپیل کرنے کے لئے ہمدردئ خلق کلید کی

حیثیت رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ اس پر شاہد ناطق ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے جو جذبۂ ہمدردی آپؐ کے دل میں موجزن تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

(شعراء: ۴)

ترجمہ:۔ شاید تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے گا کہ وہ کیوں مومن نہیں ہوتے۔

غزوہ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لہو لہان کیا جاتا ہے اور آپؐ شدید ترین اذیت کے لمحات میں دست بدعا ہو کر یوں گویا تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

(مسلم کتاب الجہاد)

یعنی۔ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔

طائف کے سفر میں آپ سے جو سلوک روا رکھا گیا اُس سے کون واقف نہیں مگر اُن کے حق میں بھی بد دُعا نہیں کی۔

پس یہی وہ جذبۂ ہمدردی تھا جس نے عرب کے بیاباں میں ایک روحانی انقلاب برپا کر دیا۔

حدیث میں آتا ہے ایک بڑھیا روزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی چھت پر سے بغض و عناد کے باعث گند پھینکا کرتی تھی۔ ایک روز جب ایسا نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ

دراصل وہ بڑھیا آج بیمار تھی اس وجہ سے آج وہ ایسا نہ کر سکی۔ آپؐ یہ سُن کر اس کے گھر عیادت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ سے وہ بڑھیا اس قدر متأثر ہوئی کہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکی۔

اسی طرح ایک بدوی بڑھیا ایک روز جب مکہ میں کچھ سودا سلف خرید نے آئی تو اُس نے اپنے کانوں میں اس مقصد کے لئے روئی ڈال رکھی تھی۔ تا اس کے کانوں میں کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ پڑ جائے اور وہ اس کے جادو کا شکار ہو جائے۔ جب وہ بڑھیا واپس جا رہی تھی۔ تو بوجھ کافی ہونے کے باعث سخت تکلیف میں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسے اس تکلیف میں مبتلا دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ اور اس کا سامان اٹھا کر اس کے گھر تک پہنچا آئے۔ جب آپ واپس آنے لگے تو اس بڑھیا نے آپؐ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور ساتھ یہ نصیحت کرنے لگی کہ آپؐ کہیں محمدؐ کے جادو کا شکار نہ ہو جانا۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ وہ جادوگر تو میں ہی ہوں۔ یہ سُن کر وہ بڑھیا کہنے لگی کہ اگر تو ہی وہ جادوگر ہے تو پھر مجھ پر تو تیرا جادو چل گیا ہے۔ خدا کی قسم آپ جیسا بنی نوع انسان کا ہمدرد اور خیر خواہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اُسی وقت وہ بڑھیا کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔

غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر جب رسول خداؐ ایک مقام پر سب سے الگ تھلگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ آپؐ کی آنکھ لگے ذرا ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ ایک دشمن نے موقعہ پا کر آپؐ ہی کی تلوار لے کر آپؐ کو بیدار کیا اور پوچھا۔

"اب کون تمہیں میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے"

آپؐ نے نہایت اطمینان اور بشاشتِ قلبی سے فرمایا۔ "اللہ"

یہ سُننا تھا کہ تلوار دشمن کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ آپؐ نے اس تلوار کو

اُٹھایا اور فرمایا! "اب بتاؤ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا" اُس آدمی نے کپکپاتے ہوئے کہا۔ "آپ ہی مجھ پر رحم فرمائیں" آپؐ نے مسکراتے ہوئے اُسے معاف کر دیا۔

پس یہی وہ ہمدردی و دلسوزی ہے جس سے بدترین مخالف بھی بالآخر حق کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

۴۔ **عقلی استدلال :۔** حکمتِ دعوت کا تقاضا ہے کہ مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ اور اُسے تفکّر و تدبّر کی راہ پر ڈالا جائے۔ عقلی دلائل اور مشاہداتی براہین کے ذریعہ دعوتِ حق کو مؤثر بنایا جائے۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نبوتِ محمدیہ ایک منفرد ربانی آواز ہے۔ جس نے حاکمانہ اور آمرانہ انداز اختیار کرنے کی بجائے عقلِ انسانی کو مخاطب کیا۔ غور و فکر کی دعوت دی اور فہم و تدبّر کا مطالبہ کیا۔ قرآن پاک میں عقلی استدلال کی شاندار مثالیں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(الانفال: ۴۲)

ترجمہ :۔ تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے جئے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سُننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

۵۔ **مجادلہ حسنہ :۔** مجادلہ سے مراد دلائل کا باہمی ردو بدل ہے جس سے مخاطب کو مطمئن کرنے کے لئے اس کے دلائل کا جواب دیا جاتا ہے۔ اور ایسا مثبت استدلال کیا جاتا ہے جو فریقِ ثانی کو قبولِ حق پر آمادہ کر سکے۔ اس کی

نوعیت محض مناظرانہ اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثی اور الزام تراشی اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود فریق مخالف کو چپ کرا دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو۔ اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو۔ معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریق سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اُتر آیا ہے تو اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دُور نہ نکل جائے۔

مجادلہ درحقیقت نام ہے اس بات کا کہ اپنی بات منوانے کے لئے مخاطب پر محبت، اعتماد، حُسنِ اخلاق اور حُسنِ استدلال سے گھیرے ڈالے جائیں۔ یہاں تک کہ وہ داعی کی دلسوزی اس کی بے لوثی اور اس کے اخلاص سے متأثر ہو کر اس کی بات کی صداقت پر غور کرنے اور اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

۶۔ **عملی نمونہ:۔** دعوتِ الی اللہ میں عملی نمونہ کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ فرمایا:۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(حٰمٓ سجدہ ۴۱:۳۴)

ترجمہ:۔ یعنی۔ اس شخص سے زیادہ حسین کلام کس کا ہو سکتا ہے جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے اور خود بھی اعمالِ صالحہ بجا لاتا ہے اور پہلے خود وہ احکام خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم

کرتا ہے اور کامل فرمانبردار ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا :۔

یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ۔ (المائدہ: ۶۸)

ترجمہ :۔ یعنی اے رسولؐ ! جو پیغام تیری طرف نازل کیا گیا ہے تو اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تو نے اس کی رسالت کا حق ہی ادا نہ کیا۔

اس آیت کریمہ میں وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ کے الفاظ استعمال کرنے میں حکمت یہی ہے کہ پیغام الٰہی کو عملی نمونہ کے ذریعہ بھی لوگوں تک پہنچانا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ کو خود خدا تعالیٰ نے آپؐ کی صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور اس کی تائید کوہِ صفا کے مقام پر سب قریشِ مکہ نے یک زبان ہو کر کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جو آپؐ کے بچپن کے ساتھی تھے وہ بغیر کسی دلیل کے مطالبہ کے آپؐ پر ایمان لے آئے۔

اسی طرح ایک اور موقعہ پر جب رؤسا مکہ اکٹھے ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ مکہ میں جو لوگ حج یا دوسرے مواقع پر آتے ہیں اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہکر بدنام کیا جائے کہ نعوذ باللہ آنحضرتؐ لوگوں کو جھوٹی باتیں کہہ کر فریب دیتے ہیں تو اس پر نذر بن حارث اُٹھا اور اُس نے سب حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ :۔

"محمد تم میں پل بڑھ کر جوان ہوا۔ تم اُس کو بچپن سے جانتے ہو

اور تم جانتے ہو کہ وہ تمہیں سب سے زیادہ محبوب تھا اور وہ تم سب میں سے زیادہ راست گو اور تم سب سے زیادہ حقِ امانت ادا کرنے والا ہے۔ اور جب وہ ادھیڑ عمر کو پہنچا ہے اور اس کی کنپٹیوں پر سفید بال آگئے ہیں تم کہنے لگے ہو کہ وہ فریبی ہے۔ اور اِن اخلاق سے عاری ہے خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ اور اگر تم ایسی بات کرو گے تو خود اپنے آپ کو جھٹلا کر رُسوا کرو گے۔ کیونکہ جو شخص بھی محمدؐ کو جانتا ہے وہ تمہاری اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا۔"

ایک انگریز مصنّف ایچ۔ ایم۔ ہینڈ مین صحابہؓ رسول کی وفاداری اور اس کی وجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ظلم و تشدّد۔ غربت۔ بے وطنی اور بدحالی ہر طرح کے آرام و مصائب کے باوجود محمدؐ کے ساتھیوں اور پیروکاروں نے آپؐ سے بے وفائی نہیں کی۔ آپؐ کے صحابہ میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے کسی تکلیف یا مصیبت سے گھبرا کر کسی آسائش یا لالچ کے لئے محمدؐ کے ساتھ غدّاری یا فریب دہی کے بارہ میں تصوّر بھی کیا ہو۔ محمدؐ کی تعلیمات اتنی سچی تھیں اور ان کی شخصیت اتنی پُرکشش تھی، اور جاذبیت رکھنے والی تھی کہ ان کا کوئی ساتھی ایمان لانے کے بعد گمراہ نہ ہوا۔"

(بحوالہ اُردو ڈائجسٹ مئی ۱۹۸۹ء صفحہ ۳۲۹)

مسٹر ایس کشتالیہ ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع گورکھپور لکھتے ہیں:۔

"محمدؐ کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپؐ کی زبان میں

اثر تھا۔ آپؐ کے صرف ایک زبانی حکم سے عرب میں شراب خوری تو کیا اور کتنے ہی افعالِ بد ایک قلیل مدّت میں بالکل ہی نیست و نابود ہو گئے۔ ...... آج دنیا میں ایک شخص کی بھی طاقت نہیں ہے کہ وہ حضرت محمدؐ کے کیریکٹر پر ایک سیاہ دھبّہ بھی لگا سکے۔"

(نقوش رسول نمبر جلد ۴ صـ ۴۹۶)

ایک ہندو لالہ رام چندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کردہ روحانی انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"پیغمبر اسلام محمدؐ کو اپنے مشن کے رائج کرنے میں جو کامیابی ہوئی وہ سچ مچ حیرت انگیز ہے۔ ناشائستہ۔ خونخوار۔ کینہ ور۔ جنگجو عربوں کے قبیلوں کو جو بُت پرستی اور توہّم پرستی میں غرقاب تھے۔ آپس کے جھگڑوں اور جوابازی میں محو تھے۔ حضرت محمدؐ کے پاک اثر نے آناً فاناً خدا پرست بنا دیا۔ تمام قبیلے ایک سردار کے جھنڈے کے نیچے آ گئے۔ اور ایک متحدہ قوم بن گئے۔"

(نقوش رسول نمبر جلد ۴ صـ ۴۹۵)

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن

قرآن کریم میں دعوت کے کچھ اور بھی اصول بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک بہت اہم یہ ہے کہ کسی شخص سے جبراً اپنی بات نہ منوائی جائے۔

دعوت کے ابتدائی مراحل میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ حق کے مستحکم ہونے پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے لیکن قرآنِ پاک نے اِن تمام

خدشات کی نفی کردی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کریم کی عملی تصویر ہیں نے دعوت کے تمام مراحل میں پُرامن دعوت کو اپنا مقصد بنائے رکھا۔ آپؐ کی پوری زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے جبر واکراہ ثابت کیا جا سکے۔ قبولِ حق ایک اختیاری معاملہ ہے اور اسلام ان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف: ۲۹)

یعنی اے رسولؐ! تو کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے تو جو چاہے قبول کرلے اور جو چاہے انکار کرے۔

قرآن حکیم میں دعوتِ دینِ حق میں انبیاءِ کرام کی مساعی کو متعیّن کیا گیا ہے۔ اور ان حدود کو بیان کیا گیا ہے جہاں پر اُنہیں رُک جانا چاہیئے۔ فرمایا:۔

اِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (مائدہ: ۹۲)

یعنی ہمارے رسول پر تو صرف اس قدر فرض ہے کہ وہ ہمارے پیغام کو کھول کر پہنچا دے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے اعراض سے غمگین ہوتے تھے اُنہیں تسلّی دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔"

(الغاشیہ: ۲۲)

یعنی۔ اے پیغمبر! آپؐ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

دعوت الی اللہ کو سب سے زیادہ نتیجہ خیز اور ثمر آور بنانے والی ایک داعی الی اللہ کی نیم شبی دُعائیں ہیں ۔ دنیا کے سب سے بڑے اور مثالی داعی الی اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں کے رُوحانی مردوں کے دلوں میں جو روحانی انقلاب برپا کیا وہ درحقیقت آپ کی عاجزانہ دعاؤں اور ذاتی عملی نمونہ کا ہی نتیجہ تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی رشد و ہدایت کے لئے دن رات یہ دُعا کرتے تھے :۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

(مسلم کتاب الجہاد)

یعنی اے اللہ! تو میری قوم کو ہدایت عطا فرما ۔ کیونکہ یہ حقیقت سے نا آشنا ہیں ۔

حضرت مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعاؤں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے انقلاب عظیم کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے ۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے ۔ اور دنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا ۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا ؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں ایک شور مچا دیا ۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے

محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔"

(برکات الدعا صـ۱۱)

آخر پر امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی دعوت الی اللہ سے متعلق ایک نصیحت کو پیش کر کے اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

فرمایا:۔

"..... کی جو جوت میرے مولیٰ نے میرے دل میں جگائی ہے اور آج ہزارہا احمدی سینوں میں یہ لَو جل رہی ہے اس کو بجھنے نہیں دینا۔ تمہیں خدائے واحد و یگانہ کی قسم کہ اس کو بجھنے نہیں دینا۔ اس مقدس امانت کی حفاظت کرو۔

مَیں خدائے ذوالجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم اس شمع نو کے امین بنے رہو گے تو خدا اُسے کبھی بجھنے نہ دے گا۔ یہ لَو بلند تر ہو گی اور پھیلے گی۔ اور سینہ بسینہ روشن ہوتی چلی جائے گی۔ اور تمام روئے زمین کو گھیر لے گی۔ اور تمام تاریکیوں کو اُجالوں میں بدل دے گی۔"

(الفضل ۲۲ اگست ۱۹۸۳ء صـ۳)

دعوت الی اللہ شمارہ ۲۹، تعداد ایک ہزار